رسُول اللہ، اقبال کی نظر میں

سیّد علی رضا نقوی

اقبالؔ کے تین تعلق

اقبالؔ کا بحیثیت ایک مسلمان کے مطالعہ کرنے کے لئے ان کے تین قسم کے تعلقات کا بہ نظرِ غائر مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ ان کا ایک تعلق بحیثیت ایک بندے کے خدا سے ہے۔ دوسرا ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے رسولِ اکرم صلعم کی ذات والا صفات سے ہے اور تیسرا تعلق امتِ مسلمہ کے ایک فرد کی حیثیت سے اس امت سے ہے۔ ان تینوں تعلقات کا سرچشمہ اگرچہ ایک ہے لیکن یہ تینوں تعلق ان کے یہاں ایک دوسرے سے بہت متمائز اور بڑی حد تک متفاوت ہیں۔

اقبالؔ کا تعلق خداوندکریم کی ذاتِ باری سے ایک عام بندہ اور پروردگار کا نہیں، بلکہ ایسے دو افراد کا ہے جو بزرگی و خُردی کے امتیاز کے باوجود ایک دوسرے کے بہت نزدیک بھی ہوں اور ایک دوسرے سے بڑے بے تکلف بھی۔ لہذا اقبالؔ جب خدا کے حضور میں ہوتے ہیں تو شوخیاں بھی کرتے ہیں، اس سے بے تکلفانہ گفتگو بھی کرتے ہیں اور اپنے دل کی باتیں بھی بغیر کسی جھجک کے بیان کر ڈالتے ہیں۔ ان کا تعلق خدا کے ساتھ بہت عجیب ہے۔ وہ خدا کے سامنے ایسے ہی ناز کرتے ہیں جیسے کوئی چہیتا بچّہ اپنی ماں سے ناز کرتا ہے۔ انہیں جب حضورِ رسالت کوئی بات پہنچانی ہوتی ہے تو وہ خدا کے ذریعہ پہنچاتے ہیں۔ جب اپنی ذات کو اور خاص طور پر اپنی ملّت کو مشکلات اور بدحالی میں گرفتار دیکھتے ہیں تو بے محابانہ اس کے سامنے گلہ و شکوہ کا دفتر کھولنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ حضورِ حق جاتے ہوئے نہ اُن کو کوئی

دیتے ہیں۔ تنہا چیز جو اس وقت ان کے ساتھ ہوتی ہے وہ ایسی آہِ سوزناک ہے جو سینوں کو کشادگی بخشتی ہے اور صد ہا سال کے غموں کو بھی ختم کر دیتی ہے ؎

بہ آہے سوزناکش سینہ بکشائے   زیک آہش غم صد سالہ میرد[۱]

اس کے برخلاف جب وہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو صوفیانہ روش کے مطابق کہ ؎

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

بڑے ادب اور احترام سے حاضر ہونے کی تیاری کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک آستانۂ رسولؐ عرش سے بھی زیادہ نازک جگہ ہے جس کا ادب و احترام واجب ہے۔ اس مقام پر جنید و بایزید جیسے جلیل القدر صوفی بزرگوں کے بھی ہوش گم ہو جاتے ہیں۔

ادب گا ہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا[۲]

ان کا تعلق امتِ مسلمہ سے ایک درد مند، راز داں اور چارہ ساز بھائی جیسا ہے۔ ان کو اپنے بھائیوں کو مصیبت میں دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے لہٰذا وہ ایک پُرخلوص بھائی کی طرح اس کی چارہ جوئی کرتے ہیں اور اس کو دردمندانہ نصیحت کرتے ہیں ؎

مقامِ خویش اگر خواہی درین دیر   بحق دل بند و راہِ مصطفےٰ رو[۳]

اقبالؔ کو رسول اللہؐ کی ذاتِ گرامی سے والہانہ اور بے اندازہ عشق ہے۔ اس راہ میں عقلِ حیلہ ساز بیکار اور بے سود نظر آتی ہے کیونکہ وہ ان کو اس منزل پر لے جانے سے عاجز ہے جو ان کی مطلوب و مقصود ہے۔ چنانچہ وہ اپنی عمل کی مہار دل کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اس لئے کہ ان کو یقین ہے کہ اس پُر خار و پُر خطر راہ میں وہی ان کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے ؎

خرد از راندن محمل فرو ماند   زمامِ خویش دادم در کفِ دل[۴]

وہ جب اپنے محبوب رسولؐ کی بارگاہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو خود خدا کو بھی الوداع کہہ دیتے ہیں۔

جب عالمِ خیال میں وہ "درِ دوست" پر پہنچتے ہیں تو فرطِ شوق سے بے اختیار اس مقدس آستانہ کی خاک کو اپنی پلکوں سے صاف کرنے لگتے ہیں۔ معاً انہیں خیال آتا ہے کہ عبدالعزیز ان کے اس عمل کو ایک بشر کے مزار پر سجدہ ریزی نہ سمجھ بیٹھے اور کہیں ان پر شرک کا گمان نہ کرنے لگے۔ لہٰذا وہ اس کو ان لفظوں میں اپنے اس عمل کی غرض و غایت سمجھاتے ہیں ؎

سجودی نیست اے عبدالعزیز این　　برو بم از مژہ خاکِ درِ دوست [۱]

اقبالؔ کو جہاں رسول اکرمؐ کی ذاتِ اقدس سے بے پناہ عشق ہے وہاں ان سے بے حد شرم و حیا بھی آتی ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ داورِ محشر روزِ جزا ان کے (اور ان کی قوم کے) اعمال کا حساب رسول مقبولؐ کے سامنے لے، کیونکہ اپنے سیاہ نامہ اعمال سے بڑی شرم آتی ہے اور یہ سوچ کر مزید شرمندگی ہوتی ہے کہ نامہ اعمال کی سیاہی کا اصل سبب رسول اللہؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلنے اور ان کی تعلیمات سے غفلت برتنے کی عادت رہا ہے۔ لہٰذا وہ خداوندِ کریم کی بارگاہ میں درخواست کرتے ہیں کہ ان کا حساب رسول اللہؐ کے حضور میں نہ لے، بلکہ اس سیاہ دفتر کو ان سے پوشیدہ رکھے اور اس طرح ان کو شرمندگی اور خواری سے بچائے۔

بپایان چوں رسد این عالم پیر　　شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہ ما را　　حسابِ من ز چشم او نہاں گیر [۲]

حتیٰ کہ جب وہ رسول اکرمؐ کا نام بھی اپنی زبان پر لاتے ہیں تو خوف سے لرزہ براندام اور شرم سے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔

چون بنام مصطفیٰ خوانم درود　　از خجالت آب می گردد وجود [۳]

اُمت کے لئے نبی کی ضرورت

اقبالؔ امت کے وجود کے لئے نبی اور شریعت کا وجود لازمی سمجھتے ہیں۔ نبی خدا اور بندوں کے درمیان ایک واسطے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر نبی اپنی اُمت کے تشخص کا نمائندہ اور ذمہ دار ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی اُمت ایسی نہیں جو کسی نبی اور اس کی شریعت سے وابستہ

وہ بھی قائم رہتی ہے ، لیکن جیسے وہ اپنا رشتہ نبی اور اس کی شریعت سے توڑ لیتی ہے ، اس کا وجود بھی کالعدم ہو جاتا ہے ۔

بعینہٖ اسی طرح امتِ محمّدی کا وجود بھی ذاتِ محمدؐ اور شریعتِ محمّدی سے وابستہ ہے ۔ جب تک ہم نبوتِ محمّدی اور شریعتِ محمّدی سے اپنا رشتہ قائم رکھیں گے ، ہمارا وجود بھی قائم رہے گا اور خداوندکریم کے الطاف و مراحم کے مستحق قرار پاتے رہیں گے ۔ ہمیں اس کی تائید و نصرت سے جہاں بانی اور جہانگیری کا شرف بھی حاصل رہے گا ۔ خدا بقولِ اقبالؔ مسلمان کو خطاب کرکے فرماتا ہے ۔

عشق ہے تیری سپر ، عشق ہے شمشیر تری　　　میرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوی اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تری　　　تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں ۹؎

سرورِ کونینؐ سے اگر ہم اپنا رشتہ توڑیں گے تو ان عنایاتِ الٰہی اور مراحم سرمدی سے بھی محروم ہو جائیں گے ۔ اس لئے کہ بزمِ توحید کی رونق اسی ساقی کے دم سے ہے جس نے ہمیں مئے الست کے جام سے سرشار کیا اور اس گلستانِ دھر کی بہار اسی پھول کے وجود سے قائم ہے جس کے سبب بلبل کی زبانی ہم حیاتِ سرمدی کے ترانوں سے آشنا ہوئے ۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو　　　چمنِ دھر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو　　　بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو ، تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے ۔ ۱۰؎

دعائے خلیل کی تفسیر

اقبالؔ کا خیال ہے کہ اُمتِ محمّدی دعائے خلیل اللہ کی تفسیر ہے ۔ اس کا وجود اصل میں

ربنا و اجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃً مسلمۃً لک ۔ [11]

(اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنا مطیع و فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک ایسی اُمت بنا جو تجھ پر ایمان رکھتی ہو)

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبالؔ فرماتے ہیں۔

حق بروں آورد این تیغ اصیل — از نیام آرزو ہائے خلیل [12]

لہٰذا اسی غرض سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ ؑ نے اپنے خاندان کے ساتھ ایک غیر آباد جگہ میں سکونت اختیار کی اور بیت الحرام (یعنی کعبہ) قائم کیا۔ چنانچہ اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ اسی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم [13]

(اے ہمارے پالنے والے میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو ایک ایسی وادی میں تیرے بیت الحرام کے نزدیک آباد کیا ہے جس میں زراعت نہیں ہوتی)

اقبالؔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

بہر ما ویرانہ آباد کرد — طائفاں را خانہ بنیاد کرد [14]

اُمتِ مسلمہ اور رسولؐ کا رشتہ

اقبالؔ نے اپنے خطبات اور اپنے کلام میں بارہا اس بات پر زور دیا ہے کہ اُمتِ مسلمہ رسولِ اکرم کی ذات سے وابستہ ہے ۔ خدائے تعالےٰ نے ہمارے بے جان جسم میں رسالت سے جان ڈالی ہے ۔

حق تعالےٰ پیکر ما آفرید — وز رسالت در تنِ ما جان دمید [15]

جب تک نبوت نہ ہو ، اُمت ایک حرفِ بے صدا کی طرح ہوتی ہے ۔ رسالت ہی دنیا میں اُمت کی خلقت کا باعث ہوتی ہے ۔ اسی سے شریعت اور دین وابستہ ہوتا ہے ۔

حرفِ بے صوت اندریں عالم بدیم — از رسالت مصرعِ موزوں شدیم

رسالتِ محمدی نے لاکھوں بندگانِ خدا کو ایک واحد امت کی لڑی میں پرو دیا ہے۔ چنانچہ ملتِ اسلامی صرف رسول اکرمؐ کی نسبت سے ایک علیحدہ ملت کہلاتی ہے۔ لہٰذا رسالت کی مثال ایک سمندر کی ہے جس میں افراد موجوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرح موجوں کا وجود سمندر سے علیحدہ ممکن نہیں، اسی طرح افرادِ ملت کا وجود بحرِ رسالت سے جدا امکان پذیر نہیں۔

از رسالت صد ہزار ما یک است　　جزو ما از جزو ما لاینفک است
ما ز حکم نسبتِ او ملتیم　　اہلِ عالم را پیام حجتیم
از میانِ بحر او خیزیم ما　　مثلِ موج از ہم نمی ریزیم ما [۱۸]

رسول اللہؐ کا وجودِ اقدس قومِ مسلم کی قوت کا سرچشمہ ہے۔ انہی کی ذات بابرکات میں ہماری وحدت کا راز پوشیدہ ہے۔

قوم را سرمایۂ قوت ازو　　حفظ سرِّ وحدتِ ملت ازو [۱۸]

ہماری ہم نوائی ذاتِ اقدس رسول ہی سے ہے۔ ہم میں وحدتِ فکر انہی کی وجہ سے ہے۔ جب بہت سے ہم عقیدہ لوگ ایک وحدت میں جڑ جاتے ہیں تو وحدت بن جاتے ہیں اور یہی وحدت پختہ ہو کر ملت کو وجود میں لاتی ہے۔ ہر امت اسی وحدت کے ذریعہ زندہ ہے۔ امتِ مسلمہ بھی دینِ فطرت کی لڑی میں پرو دئے جانے سے قائم ہے

از رسالت ہمنوا گشتیم ما　　ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما
کثرت ہم مدعا وحدت شود　　پختہ چون وحدت شود، ملت شود
زندہ ہر کثرت ز بند وحدت است　　وحدتِ مسلم ز دینِ فطرت است [۱۹]

امتِ مسلمہ نے دینِ فطرت رسول اللہؐ ہی سے سیکھا ہے۔ انہی کے نور سے ہم نے راہِ حق میں ضوفشانی اور مشعل افروزی کی ہے۔ ہم سب انہی کے بحرِ ناپیداکنار کے موتی ہیں۔ ہماری وحدت اور ہمارا یک جان و تن ہونا انہی کا مرہونِ منت ہے۔

دینِ فطرت از نبی آموختیم　　در رہِ حق مشعلے افروختیم
این گہر از بحرِ بے پایانِ اوست
ما کہ یک جانیم، از احسانِ اوست [۲۰]

شریعتِ محمدی

ہر قوم کا نظام اپنے نبی کی شریعت سے متشکل ہوتا ہے اور اسی نظام سے اس کو دوام اور استحکام ملتا ہے۔ امتِ مسلمہ کے وجود کا راز بھی شریعتِ محمدی ہی میں پوشیدہ ہے یہی اس کا آغاز ہے اور یہی اس کا انجام۔ شارع فطرت شناس نے جو ہر شے کی خوبی و بدی سے اچھی طرح واقف ہے ہمارے لئے شریعت بنائی ہے۔ یہ شریعت زندگی بخشنے والی شریعت ہے اور اسی شریعت پر گامزن ہو کر ہماری ترقی ممکن ہے۔

ملت از آئین حق گیرد نظام   از نظام محکمے خیزد دوام
با تو گویم سرِ اسلام است شرع   شرع آغاز است انجام است شرع
شارعِ آئین شناسِ خوب و زشت   بہرِ تو این نسخۂ قدرت نوشت
ہست دینِ مصطفیٰ دینِ حیات   شرعِ او تفسیرِ آئینِ حیات [۲۱]

ختمِ شریعت و رسالت

خدا نے اس وحدت امت کو باقی رکھنے کے لئے حضرت محمدؐ پر شریعت اور رسالت کو تمام کر دیا ہے تاکہ اس طرح ہمارا وجود ایک امت کی حیثیت سے قیامت تک قائم رہ سکے

تا نہ این وحدت ز دستِ ما رود   ہستیٔ ما با ابد ہمدم شود
پس خدا بر ما شریعت ختم کرد   بر رسولِ ما رسالت ختم کرد [۲۲]

ختمِ رسل و ختمِ امم

جس طرح حضرت محمدؐ خاتم انبیاء ہیں اسی طرح ان کی امت خاتم امم ہے۔ جس طرح رسولؐ نے فرمایا ہے کہ "لا نبی بعدی" (میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا) اسی طرح اگر امت مسلمہ شریعتِ محمدی پر عمل کرے اور غیر اللہ سے اپنا رشتہ توڑ کر صرف حق تعالیٰ سے تعلق قائم کرے تو [illegible] "لا قوم بعدی" (میرے بعد کوئی قوم نہیں ہوگی) [illegible]

جس طرح خدائے تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کے بعد کسی پر رسالت کے دعوے کو ناممکن بنا دیا ہے۔ اسی طرح امّتِ مسلمہ کے وجود کو بھی ہمیشگی بخشی دی ہے۔

رونق از ما محفلِ ایّام را　　او رسل را ختم و ما اقوام را
لا نبی بعدی ز احسانِ خداست　　پردۂ ناموس دینِ مصطفیٰؐ است
حق تعالیٰ نقشِ ہر دعویٰ شکست　　تا ابد اسلام را شیرازہ بست
دل ز غیر اللہ مسلمان بر کند　　نعرۂ لا قوم بعدی می زند [۲۳]

ختمِ نبوّت کا سبب

اقبالؔ نے خطبات اور اپنے کلام میں ختمِ نبوت پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

"پیغمبر اسلامؐ کی ذاتِ گرامی کی حیثیت دنیائے قدیم اور جدید کے درمیان ایک واسطہ کی ہے۔ بہ اعتبار اپنے سرچشمۂ وحی کے آپ کا تعلق دنیائے قدیم سے ہے، لیکن بہ اعتبار اس کی روح کے دنیائے جدید سے ہے۔" [۲۴]

اسی طرح فرماتے ہیں۔

مرسلان و انبیاء آبائے او　　اکرم او نزدِ حق اَتقائے او [۲۵]

آگے چل کر اقبالؔ اپنے "خطبات" میں فرماتے ہیں:-

"دنیائے جدید سے یہ آپ ہی کا وجود ہے کہ اس زندگی پر علم و حکمت کے وہ تازہ سرچشمے منکشف ہوئے جو اس کے آئندہ رُخ کے عین مطابق تھے۔" [۲۶]

اس مضمون کو وہ شعر میں اس طرح ادا کرتے ہیں۔

عصرِ نو کایں صد چراغ آوردہ است
چشم در آغوشِ او وا کردہ است [۲۷]

اس کے بعد "خطبات" میں فرماتے ہیں:-

"اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراجِ کمال کو پہنچ گئی، لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری

ہو گیا۔ اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے تصورِ ذات کی تکمیل ہو گی تو یونہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو تسلیم نہیں کیا، یا موروثی بادشاہت کو جائز نہیں رکھا یا بار بار عقل اور تجربے پر زور دیا، یا عالمِ فطرت اور عالمِ تاریخ کو علمِ انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لئے کہ ان سب کے اندر یہی نکتہ مضمر ہے، کیونکہ یہ سب تصورِ خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔ [۲۸]

انقلابِ محمدی

حضرت محمدؐ نے تاریخ انسانی میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ انہوں نے نوعِ انسان کو غلامی سے نجات بخشی اور انسان کو انسانی خداؤں سے نجات دلا کر وحدہٗ لاشریک لہ کی بندگی سکھائی۔

قوتِ او ہر کہن پیکر شکست ـــــ نوعِ انسان را حصارِ تازہ بست
تازہ جان اندر تنِ آدم دمید ـــــ بندہ را باز از خداوندان خرید
زادنِ او مرگِ دنیائے کہن ـــــ مرگِ آتش خانۂ دیرِ دشمن [۲۹]

رسول اللہؐ نے انسان کو انسان پرستی کی لعنت سے بچایا، سلطنت کے طلسم کو توڑا، اور کاہنوں اور برہمنوں کے پھندوں سے باہر نکالا۔

بود انسان در جہان انسان پرست ـــــ ناکس و نابود مند و زیر دست
سطوتِ کسریٰ و قیصر رہزنش ـــــ بندہا در دست و پا و گردنش
کاہن و پاپا و سلطان و امیر ـــــ بہرِ یک نخچیر صد نخچیر گیر
برہمن گُل از خیابانش ببُرد ـــــ خرمنش مغ زادہ با آتش سپرد [۳۰]

بالآخر رسول امینؐ نے حق داروں کو ان کا حق پہنچایا اور غلاموں کو شاہی مسند بخشی۔

تا امینے حق بحقداران سپرد ـــــ بندگان را مسندِ خاقان سپرد [۳۱]

[illegible] کا سبق دیا اور رنگ و نسل کی

تفرقے کو ختم کیا۔

حریت زاد از ضمیرِ پاکِ او   این مَے نوشین چکید از تاکِ او
"کل مومن اخوة" اندر دلش   حریت سرمایۂ آب و گلش
ناشکیبِ امتیازات آمدہ   در نہادِ او مساوات آمدہ [۳۲]

امتِ محمدی کا مستقبل

اقبال امتِ مسلمہ کی زبوں حالی سے مغموم و رنجیدہ ضرور ہیں اور رسولؐ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس بخت برگشتہ قوم کو کرم آمیز نگاہ سے نوازیں۔

مسلماں آں فقیر کج کلاھے   رمید از سینۂ او سوز آھے
دلش نالد، چرا نالد، نداند   نگاھے یا رسول اللہ نگاھے [۳۳]

لیکن اقبال امتِ محمدی کے مستقبل سے مایوس نہیں ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ امتِ مسلمہ ہی اعلائے کلمۃ اللہ اور حیاتِ دنیا کے دوام و قیام کا باعث ہے چونکہ وہ آخری امت ہے۔ اگر وہ مر جائے تو دنیا کا وجود بھی ختم ہو جائے۔ بالفاظ دیگر یہ دنیا اسی امت کے دم سے قائم ہے۔

در جہاں بانگ اذاں بود ست و ہست   ملتِ اسلامیاں بود ست و ہست
عشق آئین حیات عالم است   امتزاج سالماتِ عالم است
عشق از سوزِ دلِ ما زندہ است   از شرار لا الٰہ تابندہ است
گرچہ مثلِ غنچہ دلگیریم ما   گلستاں میرد اگر میریم ما [۳۴]

حوالجات

۱۔ ارمغانِ حجاز۔ کلیاتِ اقبال (فارسی)۔ غلام علی اینڈ سنز۔ ص ۸۸۵
۲۔ 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۹۰۳
۳۔ 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۹۴۷

۴۔ ایضاً ۔ ص ۹۰۵ ۔ ۵۔ ایضاً ۔ ص ۹۰۱ ۔
۶ ۔ ایضاً ۔ ص ۹۴۲ ۔ ۷۔ ایضاً ۔ ص ۹۰۰ ۔
۸ ۔ پس چہ باید کرد ، کلیاتِ فارسی ۔ ص ۸۳۳ ۔
۹۔ جوابِ شکوہ ۔ ۱۰ ۔ ایضاً ۔
۱۱ ۔ قرآن ، سورۃ البقرۃ (۲) آیت ۱۲۸ ۔ ۱۲ ۔ رموزِ بیخودی ، کلیاتِ فارسی ، ص ۱۱۹ ۔
۱۳ ۔ قرآن ، سورۃ ابراہیم (۱۴) آیت ۳۷ ۔
۱۴ ۔ رموزِ بیخودی ، رکن دوم ۔ رسالت ، کلیاتِ اقبال ، ص ۱۰۰ ۔
۱۵ ۔ ایضاً ۔ ص ۱۰۱ ۔ ۱۶ ۔ ایضاً ۔
۱۷ ۔ ایضاً ۔ ۱۸ ۔ ایضاً ۔ ص ۱۰۲ ۔
۱۹ ۔ ایضاً ۔ ۲۰ ۔ ایضاً ۔
۲۱ ۔ ایضاً ۔ ص ۱۲۶ ، ۱۲۷ ، ۱۲۸ ۔ ۲۲ ۔ ایضاً ۔ ص ۱۰۲ ۔
۲۳ ۔ ایضاً ۔
۲۴ ۔ تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ (اقبال کے انگریزی خطبات) اردو ترجمہ از سید نذیر نیازی ، بزمِ اقبال لاہور ۔ ص ۱۹۳ ۔
۲۵ ۔ رموزِ بے خودی ، کلیاتِ فارسی ۔ ص ۱۰۴ ۔
۲۶ ۔ تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ ۔ ص ۱۹۳ ۔
۲۷ ۔ رموزِ بیخودی ، کلیاتِ فارسی ، ص ۱۰۴ ۔ ۲۸ ۔ تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ ۔ ص ۱۹۳ ، ۱۹۴ ۔
۲۹ ۔ رموزِ بیخودی ، کلیاتِ فارسی ۔ ص ۱۰۴ ۔ ۳۰ ۔ ایضاً ۔ ص ۱۰۳ ۔
۳۱ ۔ ایضاً ۔ ۳۲ ۔ ایضاً ۔ ص ۱۰۴
۳۳ ۔ ارمغانِ حجاز ، کلیاتِ فارسی ۔ ص ۹۱۲ ۔ ۳۴ ۔ رموزِ بیخودی ۔ کلیاتِ فارسی ۔ ص ۱۲۰ ۔